پاکستان کیا ہے
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
web alhaqqania.org

پاکستان کیا ہے؟

(۱) پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے جس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلم قوم کی اکثریت ہے وہاں اس کی آزاد حکومت قائم ہو، آگے وہاں کے دستور وآئین کی تشکیل کس نوعیت کی ہوگی یہ وہاں کے احوال وظروف کی مناسبت سے اہل حل وعقد کی مشاورت کے بعد وقت پر بروئے کار آئے گی اور وہاں کی اکثریت اس بارے میں اپنی قدرت کی حد تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مکمل ترین قانون عدل وحکمت اور خاتم الانبیاء کے اسوۂ حسنہ سے استنارہ واستفادہ کی پوری سعی کرے گی (انوار عثانی ص ۱۳۹)

(۲) جمعیت دہلی کے فارمولا میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں ہے، جمعیت العلماء کے فارمولا کے موافق مرکز سے جو امور مہمہ متعلق ہوں گے ان میں مسلم قوم محض اکثریت کے رحم وکرم پر رہے گی اور کوئی آزاد طاقت یہاں ایسی نہ ہوگی جو ان کو عام مسلم مطالبات کے ماننے پر مجبور کردے (انوار عثانی ص ۱۳۹)

حکومت الٰہیہ کے نصب العین سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے، اگر تشریعی حکومت مراد ہے تو یہ حکومت الٰہیہ ہم سردست ہندوستان میں کس جگہ قائم کریں گے؟ کیا ہندو مسلم کی مخلوط حکومت میں جہاں ایک اور تین چوتھائی کی نسبت ہوگی ظاہر ہے کہ یہ صورت حکومت الٰہیہ کی نہیں ہوسکتی، اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی وسیع خطہ پہلے ہم ایسا حاصل کرلیں جہاں حکومت الٰہیہ قائم کرسکیں، اب اگر پاکستان کا فیصلہ ہوجائے تو وہ ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں قانون سازی کی طاقت مسلم اکثریت کے پاس رہے گی، لیگ کے موجودہ قائدین بھی بار بار اعلان کررہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت قرآن کے اصولوں کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم ہوگی، ابھی حال میں بمقام پشاور پھر مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا ہے، اگر فرض کیجئے اس وقت یہ لوگ منحرف ہوجائیں تو احرار تمام مسلمانوں کی طاقت ساتھ لے کر ان کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور کرسکتے ہیں (انوار عثانی ص ۱۷۱)

اوپر کی تحریر سے قارئین کرام کو اجمالی طور پر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اب سے پچاس سال پہلے برطانوی حکومت میں قابل ذکر مسلم جماعتوں کے تین فارمولے تھے، مسلم لیگ ملک کی تقسیم چاہتی تھی اور جس صوبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ مرکزی حکومت بھی ان کی علیحدہ ہو اور جس صوبہ میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو وہاں غیر مسلموں کی حکومت ہو، ان کا مرکز الگ ہو، اتنی بات میں تو کسی سیاسی جماعت کو اختلاف نہیں تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت بنے گی اور غیر مسلموں کے صوبوں میں غیر مسلموں کی، اختلاف اس میں تھا کہ تمام ہندوستان جس پر حکومت برطانیہ کی حکمرانی تھی اس کا مرکز ایک رہے جیسا کہ برطانیہ کی حکومت کا ایک مرکز تھا یا مسلم اور غیر مسلم دو مرکز ہوں۔

جمعیت علماء ہند اور احرار مرکز کے ایک رہنے میں تو ہم زبان تھے لیکن آگے دونوں میں اختلاف ہوجاتا تھا کہ جمعیت علماء ہند مرکز میں ۴۵ مسلم، ۴۵ غیر مسلم اور ۱۰ دوسری غیر مسلم اقلیتوں کے نمائندے چاہتی تھی اور احرار نہ معلوم کس طرح ایک مرکز کے ہوتے ہوئے حکومت الٰہیہ قائم کرتے؟ ظاہر ہے کہ بحیثیت مجموعی مرکز میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوتی کیونکہ مسلمانوں کی نشستیں تو مرکز میں ۴۵ ہی ہوتیں اور غیر مسلموں کی ۵۵ نشستیں ہوتیں۔

بہر حال مرکز کے ایک ہونے یا دو ہونے میں اختلاف ہوا اور سخت ہوا۔

مسلم اور غیر مسلم دو مرکز ہونے کے بعد ہی بااختیار مسلم مرکز کے ماتحت صوبوں کی حکومتوں سمیت مجموعہ کا (پاکستان) اصطلاحی نام رکھا گیا۔

چونکہ مسلم مرکز اس کے ماتحت صوبوں میں مسلم اکثریت ہوگی اس لئے وہاں کے دستور اور آئین کے بارے میں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا، اور چونکہ عام طور پر وعدوں سے انحراف اور خلاف وعدگی کی وباء مسلمانوں میں بھی پھیل گئی اس کی طرف علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ نے اپنے اوپر کے لفظوں میں واضح طور پر ارشاد فرمادیا کہ ''احرار تمام صوبوں کے مسلمانوں کی طاقت کو ساتھ لے کر ان کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور کرسکتے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ جمہوری نظام میں اکثریت کے ہاتھ میں فیصلہ ہوتا ہے اور زمام اختیار اکثریت ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جس طرف اکثریت ہوتی ہے فیصلہ اسی طرف ہوتا ہے، حق یا ناحق کو نہیں دیکھا جاتا، نہ وعدوں پر انحصار کیا جاسکتا ہے، پھر خاص طور پر لیڈروں کے وعدوں پر تکیہ نہیں کیا جاسکتا، وہ سیاسی

وعدے کر کے صاف مکر جاتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں جو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت برطانیہ نے کرائے تھے قائد مسلم لیگ مسٹر جناح صاحب سے کچھ وعدے کرا کر ہی جمعیت علماء ہند نے مسلم لیگ کی اس الیکشن میں زوردار طریقہ پر تائید کی تھی، اس کے پارلیمانی بورڈ میں بھی شامل ہوئے اور تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کی طرف گرم جوشی سے متوجہ کیا، مسلم لیگ کے خلیق الزمان کے بقول مردہ لیگ میں جان ڈال دی اور ۷۳ نشستوں پر مسلم لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۶۳ ج ۱)

مگر الیکشن کے بعد تقریباً وہ سب وعدے الیکشنی ہی ثابت ہوئے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کو مع اپنی جمعیت علماء کے مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی، کاش کہ وہ علیحدگی نہ ہوتی اور ۱۹۴۵ء و ۱۹۴۶ء میں بھی اسی طرح دونوں جماعتوں کے اتحاد سے کانگریس کے مقابلہ میں الیکشن ہوتے اور مسلمانوں کا آپس میں اختلاف نہ ہوتا، مگر امر مقدر ٹلتا نہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس عمل سے واضح ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مسلم لیگ کی شرکت شجرہ ممنوعہ نہ تھی البتہ وہ بعض شرائط تسلیم کرانا چاہتے تھے، یہ ان کا حق تھا، ہر جماعت کو دوسری جماعت سے شرائط طے کر کے اشتراک عمل کرانا معمول رہا ہے، یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں تھی، احرار اس اشتراک عمل پر ناراض تھی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس خطرہ کی طرف بھی واضح اشارہ کر دیا تھا، جو لوگ پاکستان کے خلاف عوام میں یہ پروپیگنڈا کرتے ہوئے کہتے رہتے ہیں کہ ''علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھولے بھالے سیدھے آدمی تھے وہ مسلم لیگ کے سیاسی وعدوں پر اعتماد کر کے اس کے فریب میں آ گئے'' واقعہ کے بالکل خلاف ہے، حقیقت واقعہ ہرگز یہ نہ تھی، وہ ان وعدوں کی حقیقت سے علی وجہ البصیرۃ واقف تھے اور اس کا اظہار بھی وہ کرتے تھے، البتہ جمہور مسلمانوں کی اسلامی حمیت اور غیرت ایمانی پر انہوں نے ضرور اعتماد فرمایا کہ جب اکثریت مسلمانوں کی ہوگی اور وہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ بتا رہے ہیں، صوبوں کے علاوہ مرکز میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو پھر شریعت کے نفاذ میں وہاں کیا مانع ہوگا، سوائے اس کے کہ خدانخواستہ جمہور ہی کی حمیت وغیرت میں کمی آ جائے اور وہی شریعت کا نفاذ ملک میں نہ ہونے دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمعیت علماء ہند ایک خاص درجہ میں ملک کی قومی وحدت ایک مخلوط مرکز کے ذریعہ قائم رکھنا چاہتی تھی جس میں اقلیت میں ہونے کے اعتبار سے مسلم قوم کا عمومی نقصان تھا اور پاکستان کے حامی جو دو قوم کا صحیح نظریہ رکھتے تھے ملک کی ان ہی ضروریات میں مستحکم اور مساویانہ معاہدات کے ذریعہ عملی وحدت کو استوار کرنا چاہتے تھے۔

پھر غور کیجئے کہ جمعیت کے فارمولے نے جب یہ اجازت دے دی کہ جو صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا مناسب سمجھے علیحدگی کر سکتا ہے تو ملک کی تقسیم کا جواز تو انہوں نے بھی تسلیم کر لیا، اب اگر دوسرے لوگ ابتدا سے ایسا کرنا چاہیں تو ایک جائز چیز کو اختیار کر لینا کیوں جرم ہو گیا (انوار عثمانی ص ۱۴۰)

بلکہ ایسا کرنا زیادہ مفید ہوگا اور آئندہ کے خلفشار سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، کیونکہ مرکز سے علیحدگی اور مرکز گریز پالیسی کا کامیاب ہونا بہت مشکل ہوتا ہے، بسا اوقات خون خرابہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایجی ٹیشن ہڑتالیں وغیرہ تو اس کے لازمی امور ہیں، اس سے بہتر یہی تھا کہ ابتداء ہی میں صوبے علیحدہ ہوں اور ان کا مرکز بھی علیحدہ ہو، مرکز کے بغیر صوبہ علیحدہ ہو کر کس طرح کامیابی کے ساتھ معاملات انجام دے سکتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے؟

ایسے اجتہادی امور میں اصحاب الرائے کا اختلاف کوئی غیر ممکن نہیں ہے، ان تینوں نظریات میں اختلاف رائے ہوا، خود احرار ملک کی تقسیم نہ ہونے کی حد تک تو جمعیت علماء ہند کے ساتھ تھی، آگے ان دونوں کے راستے بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

آنکھوں دیکھا حال

چنانچہ احقر کے زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ دیوبند تشریف لائے اور دیوبند کی وسیع جامع مسجد میں تقریر ہوئی، حضرت شاہ صاحب تقریر کے تو بادشاہ تھے، جامع مسجد کا پورا صحن بھرا ہوا تھا، آپ نے سیڑھیوں پر تقریر فرمائی اور بہت تفصیل سے اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا، ان کا جوش خطابت اور لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے، مگر ایک دو دن کے وقفہ سے حضرت مدنی رحمہ اللہ نے مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ سے دار الحدیث میں عشاء کے بعد اپنا سبق روک کر تقریر کروائی، مولانا حفظ الرحمن موصوف نے تینوں نظریوں پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا،

تقریر کی روانگی اور حسن بیان اپنی مثال آپ تھی، میرے جیسا اس کی تعریف کا کیا حق ادا کرسکتا ہے، اس وقت صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ مولانا مرحوم نے جس طرح مسلم لیگ کے نظریۂ پاکستان کے رد پر دل کھول کر زبردست تقریر کی اور اس کی تردید مدلل طریقہ سے کی اسی طرح احرار کے نظریہ پر بھی بہت تفصیلی تبصرہ فرمایا، صرف جمعیت علماء ہند کے فارمولا ہی کو قابل عمل قرار دیا اور اس جلسہ کا مقصد بھی یہی تھا جو دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں کرایا گیا تھا، جوابی تقریر میں اتنی متانت وسنجیدگی اور سلاست وتسلسل بہت کم سننے اور دیکھنے میں آیا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اور دوقومی نظریہ

ہمارے حکیم الامت رحمہ اللہ کا رجحان چونکہ ہمیشہ سے دوقومی نظریہ اور مسلمانوں کی علیحدہ مضبوط تنظیم کی طرف تھا اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے ہمیشہ اسی کا اظہار فرمایا، چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی جو پکے خلافتی اور محمد علی جوہر کے اخبار ''ہمدم'' کے ایڈیٹر تھے لکھتے ہیں:

۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو ملاقات میں حضرت (تھانوی رحمہ اللہ) نے دارالاسلام کی سکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ ''جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں حاصل ہوسکتے ہیں؟ اس مقصد کیلئے صرف مسلمانوں کی جماعت ہونی چاہئے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے'' (نقوش وتاثرات)

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا خیال علامہ اقبال مرحوم نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران کیا، جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ باقاعدہ مطالبہ کیا گیا، اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ اجلاس میں پیش کیا تھا مگر بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی مجلس عوام میں کئی بار فرما چکے تھے، گویا دربار اشرفیہ میں حصول اور بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوچکا تھا جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب وخیال ہی نہیں تھا۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں ہم نے پہلے پہل حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی زبانی سنیں (نقوش وتاثرات
)

علامہ اقبال کو یقیناً یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے اسلامی حکومت کے قیام کے تخیل کو ۱۹۳۰ء میں پیش کیا اور اس کے تقریباً دس سال کے بعد قائد مسلم لیگ جناب محمد علی جناح نے اس کو بطور قرارداد لاہور مسلم لیگ کا ملی منشور قرار دیا اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو پاکستان کے سلسلہ میں ان دونوں رہنماؤں کو حاصل ہوا، مگر ان کے علاوہ بھی یہ تخیل کافی عرصہ پہلے خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیش ہوچکا تھا، اور جس مجلس میں یہ پیش ہوا اس میں حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ساتھ تشریف فرما تھے، مگر پاکستان کے لفظ سے دنیا ۱۹۳۰ء میں چوہدری رحمت علی کی زبانی آشنا ہوئی جبکہ چند نوجوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمال ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے لاکھوں متوسلین اور خلفاء عظام ''دوقومی نظریہ'' کے حامی تھے، اس لئے جب ''نہرو رپورٹ'' کے بعد بعض عمائد مسلم لیگ نے ۱۹۲۸ء میں کانگریس سے علیحدگی اختیار کی اس وقت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمایا، اس سے پہلے تو مسلم لیگ ''میثاق لکھنؤ'' کی وجہ سے کانگریس کے ساتھ مل کر ہی کام کررہی تھی اور اس ''اتحاد ہندو مسلم'' میں مسٹر جناح صاحب اس درجہ گرم جوشی دکھلا رہے تھے کہ ''سفیر ہندو مسلم'' کہلاتے تھے، پھر اس کے بعد ایک وقت آیا کہ ناراض ہوکر اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لندن میں وکالت کرنے لگے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۸ء کے بعد تک کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرتی رہی ہے، سیاسی طور پر دونوں جماعتوں کا اشتراک عمل بھی ایک عرصہ تک رہا ہے، کانگریس سے علیحدگی کوئی اس کی ہمیشہ کی پالیسی نہیں تھی۔

جب مسلم لیگ نے پہلا جھانسی کا الیکشن غالباً ۱۹۳۵ء میں کانگریس سے علیحدہ ہوکر لڑا ہے تو اس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مسلم لیگ کی حمایت کی تھی، جب تک مسلم لیگ ''ہندو مسلم اتحاد'' کے چکر میں رہی اس وقت تک اس کا بھی اعلان نہیں کیا جیسا کہ دوسری تنظیموں کانگریس، جمعیت علماء ہند وغیرہ کی

حمایت کا اعلان نہیں کیا بلکہ ان کے خلاف ہی اعلان ہوتا رہا۔

۲۶ فروری ۱۹۳۹ء کے جمعیت علماء ہند کے دعوت نامہ کے جواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے واضح فرمایا تھا کہ ''شرعی حیثیت سے صرف ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت پختہ کر دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے، علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہئے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصول پر ہو اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے'' (افادات اشرفیہ ص ۸۸)

اس کے بعد تنظیم المسلمین کے نام سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا تفصیلی فتویٰ ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کی حمایت میں شائع ہوا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے متوسلین و متعلقین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی اور مطالبۂ پاکستان میں جان ڈالی تھی۔

پھر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ آل انڈیا جمعیت علماء کانفرنس ۲۶ تا ۲۸ / اکتوبر کی تاریخوں میں مسلسل شاندار اجلاس ہوتے رہے، اس کانفرنس میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی صدارت میں قراردادیں پاس ہوتی رہیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیں۔

کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو نائب صدر مقرر کیا گیا، ۱۹۴۵ء و ۱۹۴۶ء کے الیکشن جو کہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ایک فیصلہ کن حیثیت کے حامل تھے میں جمعیت علماء اسلام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کرنے کیلئے بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں جمعیت علماء اسلام کے عمائدین نے شرکت فرمائی، بحمد اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی اور کانگریس کا غرور ٹوٹا کہ وہ مسلم وغیر مسلم تمام ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اس لئے انگریز اس کو ہی تمام ہندوستانیوں کی نمائندہ بنا کر اس کو ہی ہندوستان کی حکومت دے جائیں اور تمام مسلم وغیر مسلم کا مرکز ایک ہی ہو۔

ظاہر ہے کہ ایک مرکز کی صورت میں مسلمان مرکز میں ایک چوتھائی کی نسبت سے اپنے نمائندے بھیج سکتے تھے کیونکہ اس وقت مسلم وغیر مسلم کی آبادی کا تناسب یہی تھا، تو اس صورت میں تمام مسلمان غیر مسلموں کے ماتحت اور ان کے زیر سایہ ہوتے اور تمام ہندوستان میں حکومت غیر مسلموں کی ہوتی کیونکہ جمہوریت میں جس کی اکثریت ہوتی ہے اسی کی حکومت کہلاتی ہے، لیکن مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام اور جمہور مسلمانوں کی جدوجہد سے کانگریس اپنے دعویٰ میں ناکام رہی اور دوسرا مرکز مسلمانوں کا تسلیم کرنا پڑا جس میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہو۔

تقسیم ملک کا دارومدار اس پر تھا کہ اس صورت میں ملک کے ایک حصہ میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اور دو مرکز مسلم وغیر مسلم ہونے کی صورت میں مسلم مرکز میں اسلامی حکومت قائم ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اسلامی فقہ کی رو سے یہ بات مسلمہ ہے کہ دارالاسلام ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ ملک میں اقتدار کس کا ہے، اگر اقتدار مسلمانوں کا ہے تو وہ دارالسلام ہے اور اگر اقتدار کافروں کے ہاتھوں میں ہے تو وہ دارالحرب ہے، پاکستان میں اگر اسلامی قوانین پوری طرح نافذ نہیں ہیں تو یہ ہماری زبردست کوتاہی ہے جس کی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہیں اور قوم سے بے وفائی اور بدعہدی کے مرتکب ہو رہے ہیں، مگر اس کی وجہ سے پاکستان کو دارالسلام ہونے سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید جناب مولانا احمد رضا شاہ صاحب بجنوری لکھتے ہیں ''جس ملک میں اسلام کی شان و شوکت اور حکومت ہے اور وہاں کے حکام وولاۃ، سلاطین وملوک مسلمان ہوں وہ دارالسلام ہے خواہ وہاں کسی وجہ سے شرعی قوانین کا نفاذ نہ ہو''۔

اب ظاہر ہے کہ پاکستان کے حکام وامراء کو اندرون ملک تنفیذ احکام شرعیہ کی یقیناً پوری پوری قوت وآزادی حاصل ہے، اگر یہ اس پر عمل نہیں کرتے تو مجرم وگناہگار ہیں، یہ قوت دو مرکز بننے اور ملک کی تقسیم کے بعد ہی حاصل ہوئی ہے، مرکز ایک ہونے اور دو مرکز ہونے کا یہ فرق ہے، جس کو نظر انداز کر دینے سے طرح طرح کے نقصانات اور شبہات سامنے لا کر پاکستان سے نفرت پیدا کی جاتی ہے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پاکستان اور اس کی حیثیت کیا ہے، اور

اس مضمون کا مقصود بھی مختصر طریقہ پر یہی بتانا تھا۔

اب بعض ایسے امور کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جس سے یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ دو مرکز ہونے اور مسلمانوں کو ایک حصہ ملک میں اقتدار اعلیٰ حاصل ہونے سے کیا نفع ہوا۔

(۱) پاکستان کی اسمبلی نے ''قرارداد مقاصد'' پاس کی جس کو اب آئین پاکستان کا حصہ بنالیا گیا، اور اگر اس کی روح اور منشأ کے مطابق دستور مرتب کیا جائے تو اس میں ریاست کے قانون کا مأخذ کتاب وسنت کے سوا کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا جاسکتا، اور سیکولرازم، سوشلزم اور جتنے لادینی ازم ہیں سب کا راستہ بند ہوکر اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہونا متعین ہوگیا، یہ بات ایک مرکز ہونے میں حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔

(۲) موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے طے شدہ اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور اصولوں سے متصادم ہونے والا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا (آئین پاکستان)

(۳) ۱۹۷۹ء میں ممانعت شراب کا قانون جاری کردیا اور غیر مسلموں کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ان کیلئے بھی پابندی لگادی گئی اور شراب نوشی کی سزا شریعت کے مطابق مقرر کردی گئی۔

(۴) بدکاری کی سزا شرعی سو کوڑے یا سنگساری جیسی بھی صورت ہو مقرر کردی گئی، تمام ممالک اسلامیہ میں سعودی عرب کے بعد شاید پاکستان کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں حدود شرعیہ کا قانون موجود ہے۔

(۵) پاکستان وہ واحد ملک ہے کہ جس کے عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ رائج الوقت قوانین میں سے کسی بھی قانون کے غیر اسلامی ہونے کی بنا پر عدالت میں چیلنج کرسکتے ہیں اور عدالت اگر اس کے غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کردے تو وہ قانون خود بخود منسوخ ہوجاتا ہے اور حکومت متبادل قانون نافذ کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو میرا رسالہ ''دستور اسلامی اور اسمبلی کی ذمہ داری'' اور ''تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت''۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مملکت خداداد کو ہمیشہ قائم رکھیں اور ترقیات سے نوازیں اور پاکستانی مسلمانوں خصوصاً ارباب اقتدار کو ہمت اور توفیق عطا فرمائیں کہ وہ جلد از جلد پاکستان میں نظام اسلام مکمل طور پر نافذ کرکے حصول پاکستان کا مقصد حاصل کریں، آمین۔